انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۵ - شمارہ ۲۹	ایڈیٹر: آل احمد سرور	یکم اگست ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

کابل میں ایک ہفتہ

(۴)

ہمیں جون سے یہی ہمارا معمول یہ ہو گیا تھا کہ صبح نو بجے پوہنتون کابل پہنچ جاتے۔ دو گھنٹے مقالے سننے اور بحث کرنے کے بعد پندرہ بیس منٹ کے لیے چائے کا وقفہ ہوتا۔ اس کے بعد پھر بحث شروع ہو جاتی جو ایک، ڈیڑھ بجے ختم ہوتی۔ دوپہر کا کھانا ہوٹل کابل میں یا خیبر رستوران میں یا ہوٹل اسپین زر میں ہوتا۔ کھانا دو بجے کے قریب شروع ہوتا اور ہم لوگ تین بجے کے قریب فارغ ہوتے۔ میں نے دیکھا کہ عام طور پر کھانے پر بیئر ضرور ہوتی تھی۔ ہمارے اور چند افغانی پروفیسروں کے سوا سبھی پینے والے تھے، ہمارے لیے سنترے یا اناس کا شربت ہوتا۔ ایک ایرانی نمایندے نے دیکھا کہ میرا شربت کا گلاس بار بار بھرا جا رہا ہے اور اس کا بیئر کا گلاس خالی ہے۔ اس نے مجھ سے ہنس کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ رعایت کیوں ہو رہی ہے۔ میں نے کہا اس لیے کہ شربت بہت ہے اور پینے والے کم ہیں۔ سہ پہر کو کوئی نہ کوئی پروگرام ضرور ہوتا تھا۔ پہلے دن ہم کابل میوزیم گئے۔ میوزیم بہت بڑا نہیں ہے مگر اس میں آثار قدیمہ بڑے سلیقے سے فراہم کیے گئے ہیں اور افغانستان کی تقریباً چار ہزار سال کی تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ میں نے وہاں بدھ مذہب اور یونانی فنون کے گہرے اثرات دیکھے۔ پروفیسر حبیبی سے میں نے ہندوکش کی وجہ تسمیہ دریافت کی تو انھوں نے ہنس کر کہا کہ ہندو، سندھو یعنی دریا کے مترادف ہے اور کش کشان سے نکلا ہے۔ سندھو رفتہ رفتہ دریا کے بجائے علاقے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا اور اس طرح ہندوکش کشان کے علاقے کے لیے بولا جانے لگا۔

کابل میوزیم سے ہم بادشاہ خان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ قریب میں دارالامان میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بادشاہ خان کی صحت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ ہم لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے سب سے پہلے ۱۹۳۰ء میں انھیں علی گڑھ میں دیکھا تھا۔ پٹھانوں کے لہجے میں اردو بول رہے تھے۔ تقریر تو معمولی تھی مگر ہر لفظ سے خلوص اور گداز ٹپکتا تھا، اس لیے اس کا سبھی پر اثر ہوا تھا۔ اس بات پر افسوس کر رہے تھے کہ ہندوستانی پٹھانوں سے جو وعدے کیے تھے انھیں وہ بھولتا جا رہا ہے۔ بادشاہ خان نے صاف کہا کہ ان کی تحریک ایک اصلاحی تحریک ہے۔ انگریزوں نے اس کے سیاسی امکانات کی وجہ سے اس کو کچلنا چاہا۔ انھوں نے اپنی نظربندی کے زمانے میں اردو میں اپنی سوانح عمری لکھی تھی۔ مگر پاکستان کی حکومت نے اسے ضبط کر لیا۔ اب دوبارہ وہ اسے لکھنا چاہتے ہیں۔ ہم لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ تین نوجوان پختون ان کے پاس آئے۔ بادشاہ خان نے ہمیں ان سے ملایا۔ جس عقیدت سے وہ بادشاہ خان کو دیکھ رہے تھے اس سے اندازہ ہوا کہ بادشاہ خان کے کارکن اور خدائی خدمت گار ہوں گے۔ بادشاہ خان کو اس بات کا بہت رنج تھا کہ لوگ مذہب کے نام پر خون بہاتے ہیں اور فساد کرتے ہیں حالانکہ مذہب تو انسانوں کو قریب لانے والا ہے، جدا کرنے والا نہیں۔

دوسرے دن سہ پہر کو ہم سرکاری پریس دیکھنے گئے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ وہاں آفسٹ، سیٹ اور ٹائپ دونوں کی بڑی اچھی مشینیں تھیں۔ منیجر انگلستان کے تربیت یافتہ تھے۔ کابل کے سبھی اخبار اور بیشتر کتابیں یہیں چھپتی ہیں۔

سمینار کے دوسرے دن ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کا مقصد سمینار کے آخری اجلاس میں آیندہ کے کام کے متعلق تجاویز پیش کرنا تھا۔ اس میں ایران سے ڈاکٹر پرویز خانلری، تاجکستان سے پروفیسر معصومی، ہندوستان سے مالک رام، پاکستان سے عبدالشکور احسن اور افغانستان سے حبیب اللہ تژی اور علی محمد زہما لیے گئے تھے۔ ان لوگوں نے دو گھنٹے بیٹھ کر گفتگو کی اور متفقہ طور پر کچھ سفارشات کیں۔ ان کا ذکر آگے آئے گا۔

تیسرے دن دوپہر کا کھانا کابل کی ایک تفریح گاہ باغ تپہ میں ہوا۔ یہ باغ امیر امان اللہ نے بنوایا تھا۔ بڑا پر فضا مقام ہے۔ کھانے کے بعد ایک افغانی نے حافظ کی کچھ غزلیں گائیں۔ بڑی پر لطف صحبت رہی۔ یہاں کابل ریڈیو کے ایک صاحب نے ناوقت ہمیں میرے منہ کے سامنے کرتے ہوئے مجھ سے سمینار کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ عبدالشکور احسن اپنا کیمرہ ساتھ لائے تھے، انھوں نے ہم سب کی بہت سی تصویریں لیں۔ ہم لوگ باغ اور محل کی سیر کرنے نکلے۔ بزرگ چہرے بہت دلچسپ باتیں رہیں۔ ہم لوگ پانچ بجے کے قریب واپس آئے۔

رات کو بھی کہیں نہ کہیں کھانے کی دعوت ہوتی تھی۔ دو راتیں

خالی نہیں۔ چنانچہ ہم نے ایک شب کھانا یونس کے یہاں اور دوسری شب کھانا جوہری کے یہاں کھایا۔ جوہری کی بیوی کو اردو شاعری سے بڑی دلچسپی ہے۔ انھوں نے میری ایک غزل اور ایک نظم ریکارڈ کی۔ ایرانی سفارت نے کاک ٹیل پارٹی دی۔ وزیر اعظم نے چہل ستون میں استقبالیہ دیا۔ بہت دیر تک ہندوستان کے ساتھ دوستی اور محبت کا اظہار کرتے رہے۔ ہمارے سفیر نے اُس دن بتایا کہ ذاکر صاحب کے آنے کا پروگرام بن گیا ہے اور وہ دس جولائی سے پندرہ جولائی تک افغانستان کا دورہ کریں گے۔

(باقی آئندہ)

دورِ جدید کے نمایندہ انتخاب پر مشتمل "اظہار" کی اشاعت کا فیصلہ

اورنگ آباد۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ صدر انجمن جناب سکندر علی وجد صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ گذشتہ جلسے کی روداد کی توثیق کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ دورِ جدید کے نمایندہ ادب پر مشتمل ایک کتاب "اظہار" شائع کی جائے۔ اس میں نظم، تنقید اور افسانے شامل ہوں گے۔ اشاعت کی ذمہ داری مقرر کردہ سب کمیٹی کو سونپی گئی ہے جس کے کنوینر معتمد انجمن اثر فاروقی مقرر کیے گئے ہیں۔ حصہ نظم کے انتخاب و ترتیب کی نگرانی جناب سکندر علی وجد اور قاضی سلیم اور تنقیدی اور افسانوی حصے کا انتخاب جناب جوگندر پال اور اثر فاروقی کریں گے۔ کتاب دسمبر میں شائع ہونے کی توقع ہے۔ اس جلسے میں انجمن کے زیر اہتمام ایک جاری کتب خانہ کے قیام کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ (ایک نامہ نگار)

نظام الدین ممنون دہلوی پر تحقیقی کام

یہ خبر ادبی حلقوں میں مسرت کے ساتھ سُنی جائے گی کہ علاقہ ودربھ کے مقبول شاعر جناب محمد منشاء الرحمٰن خاں منشاء نے اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان "میر نظام الدین ممنون ــــ حیات اور شاعری" مکمل کر لیا ہے۔ منشاء الرحمٰن صاحب نے تین سال کی محنت اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی مالی اعانت کے ذریعہ علی گڑھ، دہلی، بھوپال اور حیدرآباد کا دورہ کر کے اپنے تحقیقی کام کے سلسلے میں نہایت اہم اور مفید مواد فراہم کیا ہے نیز دہلی، بھوپال، حیدرآباد اور لندن کے قلمی نسخوں کی مدد سے "دیوانِ ممنون" کی ترتیب و تہذیب کا کام بھی انجام دیا ہے۔ یہ مقالہ مع مرتب شدہ دیوان ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے ناگپور یونیورسٹی میں عنقریب پیش کیا جا رہا ہے۔ (غیاث الرحمٰن، ناگپور)

سودا کی قبر کا تحفظ

۱۷ر جولائی کو ایک جلسہ عام زیر صدارت شاہ محمد فاروق عطا صاحب بمقام امام باڑہ آغا باقر لکھنؤ منعقد ہوا۔ جلسے نے متفقہ طور پر ابراہیم مہدوی کو تحفظ قبر سودا اور قبرستان سودا کمیٹی کا کنوینر مقرر کیا۔ یہ بھی طے پایا کہ بہت جلد ایک دوسرا جلسہ عام بلا کر نگر مہاپالیکا کی طرف سے قبرستان سودا کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنے کی کوشش پر آواز بلند کی جائے۔ اس سلسلے میں ایک کمیٹی بھی بنا دی گئی ہے اور کمیٹی کے کنوینر کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شہر کے معزز لوگوں سے مل کر اس کمیٹی کو بڑھائے۔ یہ بھی طے پایا کہ بہت جلد جشن سودا منایا جائے۔

(سیاست جدید، کانپور)

پنڈت نہرو کی تقریروں اور تحریروں کا مجموعہ

نئی دہلی ۲۰ر جولائی۔ حکومت ہند کے نشر و اشاعت ڈویژن نے حال ہی میں جواہر لال کی تقریروں اور تحریروں کا ایک مجموعہ بین الاقوامی تعاون کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کی غرض سے شائع کیا ہے۔ مرحوم وزیر اعظم کی ۱۹۲۷ء سے لے کر ۱۹۶۳ء تک کی تقریروں اور تحریروں میں سے یہ انتخاب کیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ نومبر ۱۹۶۱ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں نہرو کی تقریر ہی کے پیش نظر اقوام متحدہ نے ۱۹۶۵ء کو بین اقوامی تعاون کا سال قرار دیا تھا۔

کتاب کے دیباچہ میں تحریر ہے "جواہر لال نہرو کا بین اقوامی تعاون کا تصور، انسان دوستی اور روشن خیالی پیدا کرنے کے لیے محض ایک اپیل کی حیثیت نہیں رکھتا تھا" بلکہ انھوں نے مسائل کے حل کیے جانے میں اپنی تجاویز کو عملی شکل دینے میں ان بنیادی دشواریوں کی کھوج کی جو بین اقوامی تعاون کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔ انھوں نے جو رول ادا کیا، مسائل کے جو حل پیش کیے، وہ عالمی تصور سے ان کے جذباتی لگاؤ کو ظاہر کرتے ہیں۔ (قومی آواز)

ہندستانی آرٹ کے بارے میں سوویت تصنیف

ماسکو (تاس) سوویت یونین میں آرٹ کی مورخ انتونینا کروتسکایا نے "ہندستانی آرٹ کا خزینہ" کے زیر عنوان ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس میں عہد قدیم سے لے کر آج تک کے ثقافت کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ہندستانی آرٹ کی لازمی و بنیادی خصوصیات کو اجاگر کیا ہے۔

پہلا حصہ جنوبی ہندستان کے قدیم غاروں کی مصوری کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔ مصنفہ نے اپنے خیال کی تائید میں کئی مثالیں پیش کی ہیں۔ کروتسکایا نے مذکورہ کتاب کی تیاری کے سلسلے میں ہندستان کا سفر اختیار کیا تھا اور طویل قیام کی مدت میں اس کی تعمیراتی و آرٹ کی یادگاروں کا مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ انھوں نے ہمارے عہد کے آغاز میں بت تراشی کے فروغ کا بڑے دلچسپ پیرائے میں ذکر کیا ہے۔ انھوں نے وسطی عہد کی ابتدا کے مندروں اور ان کی دیواری تصویروں کا بھی تفصیلی بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں اجنتا اور مغل عہد کی مصوری کے بارے میں بھی ابواب قائم کیے گئے ہیں۔ اس میں جدید آرٹ کا تفصیلی ذکر ہے۔

راجہ مہدی علی خاں کا انتقال پُر ملال

علی گڑھ ۲۸ر جولائی۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے مشہور شاعر اور فلمی دنیا کے مقبول نغمہ نویس راجہ مہدی علی خاں کا ۲۹ر جولائی کو بمبئی کے ایک اسپتال میں انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت مرحوم کی عمر پچاس سال تھی۔ ادارہ ہماری زبان مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی

منموہن لال شمیم کے چار غیر مطبوعہ خط

"مکاتیب شمیم" سورگیہ شمیم کے غیر مطبوعہ خطوط کا مجموعہ ہے۔ مکاتیب شمیم کے حصہ اول میں وہ خطوط ہیں جو حضرت جگر بریلوی کے نام ہیں اور دوسرے حصہ میں وہ خطوط شامل ہیں جو انھوں نے ڈاکٹر محمد اسحاق مرحوم اور حضرت فانی بدایونی مرحوم کو لکھے تھے۔ شمیم کو اردو ادب پر عبور تھا فارسی کی استعداد بھی بہت اچھی تھی حافظ اور غالب کے پرستاروں میں تھے وکالت کی بے پناہ مصروفیتوں نے کسی ادبی شغل کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا جیسا کہ خود ایک خط میں حضرت جگر بریلوی کو لکھتے ہیں۔

"قدرت کی کیا ستم ظریفی ہے کہ حافظ و غالب کے پرستار کو ضابطہ دیوانی اور قانون میعاد سماعت سے پالا پڑا ہے۔"

جناب جگر بریلوی نے ان جواہر پاروں پر مکاتیب شمیم کے عنوان سے ایک بصیرت افروز مضمون رسالہ زمانہ اگست ۱۹۳۶ء میں لکھا تھا۔ سورگیہ شمیم حضرت جگر بریلوی حضرت فانی بدایونی اور ڈاکٹر محمد اسحاق بریلوی کے جگری دوست تھے جگر بریلوی اور فانی بدایونی کے پچاس سے زیادہ ادبی خطوط میں نے سورگیہ شمیم کے پاس اگست ۱۹۵۳ء میں دیکھے تھے جب میں ان کے درشن کرنے کے لیے بریلی گیا تھا۔ یہ خطوط ان کے صاحبزادے جناب جینندر موہن ماتھر سے حاصل کر کے شائع کرا دیے جائیں تو اردو کے مکتوباتی ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ثابت ہوں گے۔ اگر اردو کا کوئی طالب علم حضرت فانی بدایونی اور حضرت جگر بریلوی کی ادبی خدمات کے سلسلے میں کوئی مقالہ لکھنا چاہے گا تو ان خطوط کے بغیر اس کا یہ مقالہ نامکمل رہے گا۔ رسالہ آواز بریلی نے مارچ ۱۹۵۴ء میں ان کی وفات پر اپنے رسالہ کا ایک خاص نمبر نکالا تھا۔ حضرت جگر بریلوی کے نام کے تین خطوط اور ڈاکٹر محمد اسحاق کے نام کا ایک خط ملاحظہ فرمایئے۔

بریلی محلہ ذکاتی

۱۵ر جون ۱۹۲۴ء

میرے مکرم تسلیم آجکل گو ایک ماہ کے لیے عدالت دیوانی بند ہو گئی ہے مگر پھر بھی گرامی ناموں کا جواب آج کئی روز بعد لکھنے بیٹھا ہوں۔ گو کچہری کے دنوں میں بھی فرصت ہی فرصت رہتی ہے لیکن عدیم الفرصتی کبھی پیچھا ہی نہیں چھوڑتی کچہری ہو یا تعطیل ہجوم افکار اور مصائب روزگار سے کبھی مخلصی نہیں ہوتی مرزا داغ نے خوب کہا ہے۔

موقوف نہیں دام و قفس پر ہی اسیری
ہر غم میں گرفتار ہوں ہر فکر میں پابند

چکبست کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ مسدس میں انیس اور غزل میں آتش کے مقلد ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ دور حاضر کے مسلسل نظموں کے لکھنے والے شعرا میں بہ استثنا صفی لکھنوی کے اور کسی نے زبان کی صحت اور صفائی کا اتنا خیال نہیں رکھا ہے۔ قومی اور فلسفیانہ نظمیں ڈاکٹر اقبال نے نہایت خوب لکھی ہیں لیکن اقبال کی زبان کو چکبست کی زبان سے کوئی مناسبت نہیں۔ نیچرل نظموں کے لکھنے والوں میں سرور جہان آبادی بھی رتبہ عالی رکھتے ہیں لیکن ان کی زبان بھی بہت زیادہ قابل اعتراض ہے۔ جذبات عشق اور سوز و ساز کے مضامین نیاز فتح پوری نے بھی نہایت جوش و خروش سے نظم کیے ہیں لیکن میری حقیر رائے کے بموجب ان کی زبان بھی سند نہیں ہو سکتی۔ یہ سوال کہ چکبست کا مقابلہ کس شاعر سے کیا جائے نہایت مشکل امر ہے۔ اقبال کا نام اکثر چکبست کے ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ میرے دل میں اقبال کی بھی بڑی عزت ہے اور دنیائے شاعری میں ان کے مرتبہ کی عظمت اور رفعت کو تسلیم کرتا ہوں۔ بہرحال اگر چکبست اور اقبال میں تقابل کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ چکبست کے کلام میں وہ جوش و خروش نہیں ہے جو اقبال کا خاصہ ہے۔ میرا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ چکبست کا کلام روکھا پھیکا یا تاثیر سے معرا ہے تاثیر اس میں بھی ہے اور بدرجہ اتم ہے لیکن دونوں کے اثرات جداگانہ ہیں۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو یوں سمجھ لیجئے کہ اقبال کے کلام میں جلالی اور چکبست کے کلام میں جمالی شان ہے۔ اگر چکبست کے یہاں دریا کی سی روانی ہے تو اقبال کے یہاں آبشار کا سا جوش و خروش اور تیزی۔

غزل میں اخلاقی اور فلسفیانہ مضامین چکبست اور اقبال دونوں نے ہی لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ غزل کی جانب دونوں نے توجہ کی ہے میری رائے میں یہ اعتراض بالکل قابل وقعت نہیں کہ غزل صرف معاملہ نگاری اور چاشنی کے مضامین کے لیے مخصوص ہے اور فلسفیانہ یا اخلاقی مضامین کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ایک زمانہ میں یہ معیار درست تھا مگر آج کل کسی شاعر کی غزل کو اس نظر سے دیکھنا خود کو مذاق جدید یا ذوق سلیم سے بیگانہ ثابت کرنا ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اگر اقبال اور چکبست کی غزل میں فرق کیا جا سکتا ہے تو یہ کہ اقبال فلسفہ اور معرفت کی جانب زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں اور چکبست اخلاق کی طرف۔ نیز یہ کہ اقبال کی غزل میں تاثیر زیادہ ہے۔ مگر زبان کی صفائی اور شستگی میں اقبال چکبست سے بہت پیچھے ہیں۔ بہرحال میری یہ رائے بالکل سطحی ہے کیونکہ میں نے زیادہ کلام اقبال کا دیکھا ہے نہ چکبست کا۔ دو ایک غزلوں اور دو ایک نظموں کے دیکھنے سے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں جو محض بہ لحاظ امتثال امر عرض کر دیا گیا ورنہ میں کیا اور میری رائے کیا۔

فانی کی ایک تازہ ترین غزل کے دو شعر ہیں۔

جلوہ یار کا بھکاری ہوں　　شش جہت کاسہ گدائی ہے
بچھ گئے راہ یار میں کانٹے　　کس کو عذر برہنہ پائی ہے

زیادہ نیاز

منموہن

(۲)

۶ر جنوری ۱۹۲۹ء

مخدوم محترم تسلیم نیاز۔ اس میں شک نہیں کہ بڑے دن کی تعطیل میں حاضری کا قصد کیا تھا لیکن ایسے چند در چند موانع پیش آ گئے کہ یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔ اس پیشہ وکالت میں لطف صحبت تو کیا ادب لطیف کے مطالعہ کا بھی وقت نہیں ملتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قانون کے دفعات اور نظائر کی موشگافیوں میں ہی تمام دنیا محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ تقاضائے قدر کی ستم ظریفی کو ملاحظہ فرمائیے کہ حافظ و غالب کے پرستار کو ضابطہ دیوانی اور قانون میعاد سماعت سے پالا پڑا ہے جز

بہ درد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

اردو کے اشعار اور ہندی کے دوہوں کی آپ مجھ سے فرمائش کرتے ہیں کہاں دنیائے شاعری کی رنگینی و لطافت اور کہاں وکالت کی خشکی و کثافت اس تفاوت راہ پر غور کیجیے۔ اول تو اچھے اشعار کا انتخاب سلامت ذوق پر منحصر ہے جس سے مجھ بے بضاعت کو کیا واسطہ دوسرے جو کچھ یاد تھا وہ طاق نسیاں کی نذر ہو گیا مہینوں نہیں برسوں گزر جاتے ہیں کہ اچھا کلام دیکھنے یا سننے کی نوبت نہیں آتی۔ فانی صاحب جب تک بریلی رہے ان کے فیض نے اس ذوق کو تازہ رکھا اب چونکہ فانی صاحب آگرہ میں۔ اور جگر صاحب بھیجا۔ اس دور افتادہ کا خدا ہی حافظ ہے۔

مشتاق دید

منوہن

(۳)

محلہ ذکاتی بریلی

۱۲ جولائی ۱۹۲۱ء

آداب عرض کرتا ہوں۔ آپ کے کارڈوں سے آتش شوق بہت تیز ہو چکی تھی اور میں نہایت بے صبری سے ایک تفصیلی ملاقات کا انتظار کر رہا تھا اس کرم فرمائی کا شکریہ عرض کرتا ہوں کہ ایک نہیں دو لفافے بیک وقت موصول ہوئے۔ بریلی میں ایسی فرصتیں کہاں نصیب ہوتی ہیں کہ کہیں دو چار گھڑی شعر و سخن کے تذکرہ میں صرف کر دیے جائیں۔ البتہ فانی صاحب نے مجھے اپنی خدمت میں بہت گستاخ بنا دیا ہے اور جو وقت ان کی خدمت میں گزرتا ہے اچھا گزرتا ہے۔ [illegible] آنکھیں لگی رہتی ہیں اور کبھی کبھی [illegible] دو ایک بہم پہنچ جاتی ہے۔

تیاخستہ گلزار نسیم میرے ہی پاس ہے۔ میں خانصاحب سے لے آیا تھا اس انتظار میں ہوں کہ خانصاحب "نیرنگ" تلاش کر کے دیدیں تو دونوں کتابیں ساتھ ساتھ بھیج دی جائیں۔ ان سے تقاضا اس وجہ سے نہیں کر سکتا کہ ابھی اسپتال میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ دو چار مرتبہ تو بھی ہو گئی تھی طبیعت ابھی کمزور ہے اور اس قابل نہیں کہ تلاش کتاب کی زحمت برداشت کر سکے۔ دست بد ہضمی کے مجھے کچھ زیادہ تشویش کی بات نہ تھی اور محض ہیجان صفر کے باعث استفراغ ہو گیا تھا۔ گو ضعف زیادہ ہو گیا شکر ہے کہ اب بالکل تندرست ہیں اور کچہری آتے جاتے ہیں۔

اسیر بدایونی صاحب کا تذکرہ بھی دیکھا اور کلام بھی۔ اگر یہ سچ ہے کہ بازار شاعری میں علم [illegible] کی زیادہ مانگ نہیں ہے اور محض شاعر کے کلام سے اس کے مرتبہ کا اندازہ کرنا ہے تو حیرت ہے کہ اسیر بدایونی سے سخن فہم و سخن گو نے اسیر سے تلمذ کیوں اختیار کیا حقیقت میں یہ سمجھنا دشوار ہے کہ اسیر کو اسیر صاحب سے کیوں ارادت و عقیدت ہو گئی۔

مجھے تو اس حد تک ہی اصل معلوم ہوتا ہے۔ اسیر صاحب محض ایک ملائے مکتبی ہیں اور اسیر کو ایام طفولیت میں آمد نامہ اور گلستان کا سبق پڑھا چکے ہیں یہی اسیر کی استادی اور اسیر کی شاگردی کی غایت ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ غالباً یہی پروفیسر صاحب کسی زمانہ میں تحصیلی اسکول بدایوں کے ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو ان کے متعلق آنا اور سن لیجیے کہ یہ نہایت پرگو اور زود گو واقع ہوئے ہیں۔ گھنٹے دو گھنٹے میں ایک چھوٹا قصیدہ تیار ہے مجھے بہر حال یہ خوش سنائی

اور قیاسی باتیں ہیں خود ان کے کلام سے ان کے متعلق کچھ اچھی رائے قائم نہیں ہوتی۔
اسیر صاحب نے "ہوا ہوا" کی تکرار کے دو شعر پیش بھی درج تبصرہ کیے ہیں۔

نقش ہستی ہے نقطۂ موہوم کیا ہوا گر ہوا ہوا نہ ہوا

ہے یہ دور تسلسل شب روز نہ ہوا گر ہوا ہوا نہ ہوا

ہوا ہوا نہ ہوا تو ٹھیک ہے مگر اسیر صاحب نے دونوں جگہ "گر" بھی ایزاد کر دیا ہے اور معلوم نہیں کہاں تک حق بجانب ہیں۔ پہلے شعر کا مفہوم صاف ہے مگر میری رائے ناقص میں الفاظ سے کما حقہ ادا نہیں ہوتا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نقش ہستی "نقطۂ اقلیدس" کی طرح موہوم شے ہے اور اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے مگر غور کیجیے کہ الفاظ سے یہ مطلب کہاں تک ادا ہوتا ہے۔ صرف نقطہ موہوم تو کوئی بات نہیں ہوئی جب تک یہ نہ کہا جائے کہ "نقطۂ اقلیدس" کی طرح موہوم جب تک نہ کوئی معنی ہی پیدا ہوتے ہیں نہ کوئی لطف اب دوسرے مصرع کی تجزی و تحلیل کیجیے "کیا ہوا اگر ہوا" کے معنی ہو سکتے ہیں کہ "اگر ہوا بھی تو کیا" یعنی ہونا نہ ہونا برابر ہے مگر پھر "ہوا نہ ہوا" کیا بلا ہے اور کیوں خواہ مخواہ شعر پیدا کرنے کے لیے چڑھا دیا گیا ہے۔ دوسرا شعر میری سمجھ سے بالاتر ہے قصور فہم کو کیا کروں مجبور ہوں۔ آپ ہی کوئی ایسا مطلب پیدا کر دیجیے جو الفاظ سے بھی مستنبط ہوتا ہو۔

اسیر صاحب نے اسیر کے اس مطلع کی خصوصیت سے تعریف کی ہے۔

وعدۂ خوگر وفا نہ ہوا ہے برابر ہوا ہوا نہ ہوا

فرمایئے جو شخص اس مطلع کو اور بالخصوص پہلے مصرع کو قابل داد بتائے اس کے متعلق کیا رائے قائم کیجیے گا۔ وعدہ کو خوگر وفا کہنا نہایت بڑے قسم کا مجاز ہے۔

میری آزاد رائے یہ ہے کہ اسیر صاحب پرانے مولوی ہیں اور خوش قسمتی سے یا بد قسمتی سے شعر بھی کہہ لیتے ہیں اور شاگردوں کو اپنے دام استادی میں اسیر کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں جانتے (مختار الملک دست انشیاء)

نیاز مند

منوہن لال

(۴)

بریلی ۵ ر جون ۱۹۲۶ء

مخدوم محترم تسلیم حقیقت یہ ہے کہ ہجوم تقصیرات کے باعث آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پچھلی مرتبہ تو عذر علالت کی تو لی اور دو کہ حاضری کی جسارت کی تھی مگر اب ہر مرتبہ ایسی علالت کہاں سے دوں خیر میری خوشی کو ہی نوع از جنوں سمجھ لیجیے اور پہلے کی طرح درگزر فرمائیے۔

حالات سفر کے بارے میں جو مفصل گرامی نامہ مرحمت ہوا تھا اس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے غالباً فہرست خاص کی یہ قسط اولین تھی لیکن بقیہ اقساط کا کس منہ سے تقاضا کروں! صرف یہ امید مایوس نہیں ہونے دیتی کہ باوجود میری نااہلی کے جب ہمیشہ بے سبب نوازشیں ہوتی رہی ہیں تو آئندہ بھی ہو سکتی ہیں۔

"شاعر" سے میرا کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اس کے مدیر بابو راجا بہادر لال ماسٹر سری لال صاحب کے فرزند اکبر ہیں اور نسیم تخلص کرتے ہیں۔
[illegible]

شاہکار

اشفاق احمد عظمی

خواب زاروں میں تخیل کے جنم پاتی ہے
روز اک صبح نئی
روز اک شام نئی
میری تسکین تمنا کے لیے
میری امید — !
روز چھلکاتی ہے اک جام نیا
بزم تخیل کا جام
اور سوچوں کے شبستاں میں چراغاں کرتی
روز لیتی ہے جنم
خون دل اپنا پیئے
نور و نکہت میں ڈھلی
نظم اک ہنستی ہوئی
نرم و نازک اندام
اپنے ہونٹوں پہ لیے زیست کا
کوئی پیغام — :
میری محتاج نظر
ایک مری نظم مگر
نغمہ ہونٹوں میں لیے
اور نگاہوں میں سحر
ایک مدت سے خموش
دیکھے جاتی ہے مجھے
بازوؤں سے مری تخئیل کے نالاں ہے بہت
کیوں ادھر اٹھتے نہیں
میں بھی خود سوچ رہا ہوں نہ توجہ کر کے
آج تک اس کی طرف
مجھ سے بھی چوک ہوئی
چند لافانی نقوش میری اس نظم میں ہیں
دھندلے دھندلے سے ابھی
ہونٹ رکھتے ہیں مگر بات کر سکتے نہیں
سوچتا ہوں انھیں ہونٹوں پہ
سجا دوں نغمہ
اپنی ہستی کو مٹا کر کے لٹا کر خود کو
اپنی اس نظم کو —
آج شہکار بنا ڈالوں میں
ایک جیتی ہوئی تصویر بنا ڈالوں میں
صرف خوابوں کی سحر کام نہیں آسکتی !!

صفحہ ۴ سے آگے

تخلص کی وجہ سے میرے دو ایک اور مہربان بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو چکے ہیں "شاعر" میری رائے میں تو نہایت ادنیٰ درجہ کا پرچہ ہے لیکن تعجب ہے کہ باوجود اسی کی ذور کے بلوچستان تک اس کی روشنی پہونچ گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کامل صاحب یا بھائی صاحب نے بریلی کا پرچہ سمجھ کر آپ کے پاس بھیج دیا۔ ویسے تو رسائی کی کوئی صورت معلوم۔

تیر صاحب کے معاملات نہ تو خط کے ذریعہ سے اچھی طرح میری سمجھ میں ہی آئے اور نہ خط کے ذریعہ ان کا قابل اطمینان جواب ہی دیا جا سکتا ہے۔ میں برابر یہ کوشش کرتا رہا کہ خود تیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں لیکن یہ سعادت حاصل نہ ہو سکی کرتی جو قمار ونہ ہے کچہری میں ملاقات ہو گئی تھی مگر وہاں مفصل گفتگو کا موقع نہ تھا اور تیر صاحب کی مصروفیت نے اس کی اجازت بھی نہ دی۔ غریب خانہ پر تشریف لانے کا وعدہ کیا ہے اور میرا ارادہ بھی ان کی خدمت میں حاضری کا ہے۔ دیکھئے کون سبقت کرتا ہے۔ تیر صاحب کو دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا تغیرات زمانہ کی نہایت درد انگیز تصویر ہیں ان کی پیہم پریشانیوں نے ان کو اس مقام پر پہونچا دیا ہے جہاں جنون و ہوش کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں۔ پروردگار اپنا رحم کرے۔

شاید کسی خط میں آپ نے فانی صاحب کے متعلق بھی دریافت فرمایا تھا آج کل اٹاوہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور ایک منافی اشعر صاحب کمال جیسی کچھ وکالت کر سکتا ہے کر رہے ہیں۔ چھ سات مہینے بعد پرسوں ایک خط ان کا آیا تھا۔ چند اشعار تازہ بھی مرحمت فرمائے ہیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

مشتاق نگاہوں کی اللہ رے رسوائی	میں محو تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی
تیری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے تھے	تقدیر بگڑ بیٹھی تدبیر نہ کام آئی
لبریز تموج تھا اک خط پیمانہ	محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی
پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا	جب ذکر بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا ساماں کر لیں	دل بیتاب کو بھی دیدۂ حیراں کر لیں
ہر نفس وقف خیال رخ جاناں کر لیں	زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کر لیں
داد مظلوم نگاہی بھی تو لے لینے دے	ٹھہر اے موت کہ قاتل کو پشیماں کر لیں

بیتاب دلنوازیٔ درماں نہ لا سکے	میں ہوں وہ درد غمکدۂ روزگار میں
ہے عکس روئے دوست پہ اک پرتو مجاز	میری نظر بھی کھینچ گئی تصویر یار میں
قرباں اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار	وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں
دعویٰ یہ ہے کہ دوریٔ مشوق ہے محال	مطلب یہ ہے کہ قرب نہیں اختیار میں

آپ کا

منصور حسن

ایک مثالی انجمن

محمد ولی وزیر اعلیٰ
(سکریٹری شاخ انجمن ترقی اردو چندرپور)

نقادوں کا یہ کہنا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کچھ نہیں کر رہی ہے عملی میدان میں ایک دم کوری ہے اس کا کردار مجروح ہے اور اس کی شاخیں محض مصلی بچھائے بیٹھی ہیں یہ ہے جیسے تنقید برائے تنقید۔ تلاش و تحقیق اور اصلیت کی کھوج اس کے لیے ضروری نہیں کہ مقصد محض مخالفت ہے جس میں ہر جھوٹ جائز ہوتا ہے اور ہر کام مقدس۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ انجمن کی شاخوں کی جس نہج پر تنظیم ہونی چاہیے تھی اور اس کے کارکنوں میں جیسا جوش عمل ہونا چاہیے تھا وہ سرے سے تو نہیں مگر بڑی حد تک مفقود ہے اور اس کی ذمہ داری مرکز پر کم اور صوبائی شاخوں پر زیادہ ہے بلکہ ان حامیان اردو پر اور زیادہ ہے جو انجمن سے دور رہ کر تماشہ دیکھنے کے عادی ہیں اور اس عادت کو اس مخالفت اور تنقید میں چھپا لیتے ہیں جو وہ اپنے قلم گوہر رقم سے کبھی کبھار فرما دیا کرتے ہیں۔ میں یہ سطور کسی تنقید کے جواب میں نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ میں یہاں ایک ایسی انجمن کے کاموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو انجمن کی برائے نام شاخوں اور تنقید کرنے والے نقادوں کے لیے ایک مثال بن سکتی ہے۔

چندرپور (چاندہ) مہاراشٹر کا وہ شہر ہے جس کا علاقہ اپنے جنگلات اور اس میں بسنے والے تہذیب و تمدن سے دور آدی باسیوں کے عجیب و غریب رسم و رواج کے لیے ہندوستان ہی میں نہیں یورپ کے بعض علاقوں میں بھی مشہور ہے۔ انگریز اسے ایک وائلڈ علاقہ کہتے تھے اور ہماری اپنی حکومت اسے غیر ترقی یافتہ آدی باسیوں کا ضلع کہتی ہے۔ دو ہزار سال سے بھی زیادہ پرانی تاریخ رکھنے والے "گونڈوانہ" کا یہ صدر مقام جس میں زبانوں کا سنگم ہے اس کا ادبی مقام کچھ بھی اور خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہاں یہ ایک زبان کی حیثیت سے بھی کوئی مقام نہیں رکھتی۔ مراٹھی جو یہاں کی اکثریت کی زبان ہے گونڈی زبان سے متاثر ہے اور تلگو جو دکن سے لگے ہوئے علاقے تلنگانہ کے ساتھ آئی اپنی اصلیت کھو چکی ہے اس پر مراٹھی (گونڈی کی ایک شاخ) کی چھاپ نظر آتی ہے رہی ہندی تو زبان کی حیثیت سے یہاں اس کا کوئی وجود نہیں ہے چاندہ شہر میں جو زبان بولی جاتی ہے (بطور ہندی) وہ مذکورہ تینوں زبانوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ رہی اردو تو کیفیت یہ ہے کہ اس کا تعلق گونڈ راجاؤں سے صدیوں پرانا ہے فیروز شاہ تغلق سے گونڈ راجاؤں کا رشتہ خاص رہا ہے اور اس نسبت کا اظہار آج بھی ان الفاظ سے ہوتا ہے جو بہت سے گونڈ خاندانوں خصوصاً راج گونڈوں کے ناموں میں نظر آتے ہیں۔ چاندہ کے موجودہ معزول راجہ کا نام "اکبر شاہ" ہے یہاں گنجائش نہیں ہے کہ اس کی تاریخ کا پس منظر بیان کیا جائے لیکن اردو کے تعلق سے یہ بتانا ضروری ہے کہ اس جنگلی علاقے سے ماضی میں مسلمانوں کا کیا تعلق رہا ہے لیکن اس کی تفصیلات بھی وسعت چاہتی ہیں اس لیے اجمالی طور پر اتنا بتا دینا کافی ہے کہ پٹھان اس علاقے میں گونڈ راجاؤں کے محافظوں کی حیثیت سے آئے تھے جب ان گونڈوں کو مرہٹوں سے خطرات لاحق ہو گئے تھے اور ان کی عسکری طاقت ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ ان پٹھانوں کی زبان فارسی یا پشتو رہی ہوگی اور انہیں یہاں کے عوام سے اپنا ربط قائم کرنے کے لیے گونڈی زبان سیکھنی پڑی ہوگی چنانچہ اس کے اثرات آج تک یہاں ان مسلمانوں کی زبانوں میں ملتے ہیں جو نسلوں سے یہاں بسے ہوئے ہیں اور ان کا ایک محلہ "پٹھان پورہ" آج بھی یہاں آباد ہے اور ان ولیوں اور بزرگوں کا تو شمار نہیں جو شہر چاندہ اور اطراف میں مدفون ہیں اور جن کی درگاہوں کو گونڈوں نے بڑی بڑی زمینیں دے رکھی ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پٹھان سپاہیوں نے چند مسجدوں اور مزاروں کے سوا اپنی تہذیب کی کوئی نشانی یہاں نہیں چھوڑی بلکہ وہ گونڈوں کے رسم و رواج میں رنگ گئے جس کے ثبوت آج بھی یہاں کے کچھ مسلمانوں کے رہن سہن اور رسم و رواج سے مل جاتے ہیں نیز یہ اثرات ان اختلاط کے ہیں جو گونڈوں میں شادی بیاہ سے ان پر پڑے۔

زیادہ نہیں صرف پچاس سال پہلے تک یہاں کے مسلمان اردو نام کی زبان تک سے واقف نہیں تھے ان کی مادری زبان گونڈی تھی، فارسی آمیز تلگو تھی یا پھر مراٹھی آمیز گونڈی، نام البتہ پٹھان خان وغیرہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جب اس کے پڑوس (حیدرآباد دکن) میں اردو جوان ہو رہی تھی تو یہاں کا مسلمان اس کے نام تک سے واقف نہیں تھا۔ اگر کوئی دکنی مسلمان بحیثیت سرکاری ملازم یا افسر یہاں آ جاتا تو وہ اس کی زبان کو دکنی زبان کے نام سے پکارتے تھے۔ یہاں عربی کے جس پہلے مدرسے کا پتہ چلتا ہے اس کی عمر بھی چالیس سال سے زیادہ نہیں ہے اس کا تعمیر کرنے اور جاری کرنے والا مسلمان بھی اس علاقے کے باہر کا تھا اور اردو اسکول کی بنیاد بھی ایک ایسے ہی افسر کی توجہ سے پڑی جو کسی اور علاقے سے آیا تھا۔ اس میں سب سے پہلے جن بچوں نے داخلہ لیا ان کے ماں باپ بھی باہر سے ہی بسلسلۂ ملازمت یہاں آئے تھے اور آج سے پچیس سال پہلے تک بھی جن بچوں کے اس اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کا پتہ چلتا ہے ان میں زیادہ تر باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کے بچے ہوتے تھے اس اردو اسکول کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں ہے سال گزشتہ تک اس ایک اردو اسکول میں صرف ۸۰ بچے اردو پڑھتے تھے ان میں بیشتر بچے باہر سے آ کر بسے ہوئے مسلمانوں کے ہی تھے اس سے پہلے کے برسوں میں اس اسکول میں اتنی سے زیادہ بچے کبھی داخل نہیں ہوئے حالانکہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں مسلمانوں کی آبادی کوئی ساڑھے تین ہزار تھی۔ ایسا نہیں ہے کہ باقی مسلمانوں کے بچے تعلیم ہی حاصل نہیں کرتے تھے بلکہ ایک بڑی تعداد ان مسلمان بچوں کی مراٹھی اسکولوں میں داخلہ لیا کرتی تھی اور آج بھی لیتی ہے۔

اب آئیے انجمن ترقی اردو (ہند) کی اس شاخ کی جانب جس کو یہاں قائم ہوئے صرف پانچ ماہ ہوئے ہیں اور اس پانچ ماہ میں اس نے پانچ برسوں کا کام کیا ہے۔

خلیق انصاری صاحب نے اس شاخ کے قیام کے وقت اپنی تقریر میں بتایا تھا کہ انجمن ترقی اردو کی شاخ کی چاندہ میں تشکیل کوئی نئی نہیں ہے آج سے ۲۵ برس پہلے یہاں انجمن کی شاخ قائم ہو چکی تھی لیکن اس کی عمر چند ماہ سے زیادہ نہیں رہی میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ موجودہ شاخ چند ماہ میں وہ کام کر دکھائے گی کہ زبان کی تاریخ چاندہ کے حامیان اردو کو کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ میں نہیں جانتا کہ اردو کا مورخ اس دور دراز علاقے کے خادمان اردو کی تاریخ لکھتے وقت یاد رکھے گا یا نہیں لیکن خلیق انصاری صاحب کے الفاظ میں ایک اچھی مثال چاندہ کی شاخ نے کر دکھایا ہے۔

ایک سال پہلے خلیق انصاری صاحب جو اپنے کاروبار کے سلسلے میں یہاں مقیم تھے چند سرپرست نوجوان ملے اور ان سے کہا کہ ہم یہاں اردو کا ہائی اسکول کھولنا چاہتے

ہیں ہماری مدیر بھئے فیض انصاری صاحب جو یہاں کے پرائمری اسکول سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ہائی اسکول تو درکنار مڈل اسکول کے لیے بھی یہاں اردو کے بچے نہ مل سکیں گے ان سر پھرے نوجوانوں کے عزم پر ہنس پڑے لیکن جیسے ہی انھیں معلوم ہوا کہ یہ سر پھرے نوجوان جو اردو ہائی اسکول کھولنا چاہتے ہیں خود اردو زبان سے بے بہرہ ہیں تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا یہاں اردو کا ہائی اسکول ضرور کھلے گا جس زبان میں اتنا سوچ ہے کہ وہ اپنے سے ناواقفوں کو ہائی اسکول کھولنے پر آمادہ کر سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کی حوصلہ مندی اسکول کھول کر رہے چنانچہ فیض صاحب ان نوجوانوں کو لے کر بیٹھ گئے اور ایک رات میں رفیع احمد قدوائی میموریل ایجوکیشن سوسائٹی کا کانسٹی ٹیوشن تیار کر دیا اور پھر پندرہ دن کے اندر ہی وہ صبح نمودار ہوئی جس میں رفیع احمد قدوائی اردو ہائی اسکول کے فنڈ کے لیے ایک ہی نشست میں پانچ ہزار روپے جمع ہو گئے، ایک بلڈنگ مدرسہ ناصر الاسلام کی مل گئی دوسرے ہفتے میں فرنیچر آ گیا اور ۲۷ جون ۶۶ء کو مڈل اسکول کی پہلی کلاس ۳۰ بچوں سے کھل گئی جس کے لیے ایک گریجویٹ اور ایک انڈر گریجویٹ استاد رکھ لیا گیا۔ ۳۰ بچے جن کو داخلے کے لیے مجبور کیا گیا تھا سوچا جاتا تھا کہ یہ ہم اردو پڑھیں گے کیسے جب کہ ہمیں یہ لکھنی تک نہیں آتی ان تیس بچوں میں مشکل سے دس بچے ایسے اردو جانتے تھے کہ بچیاں لکھ سکیں باقی تمام بچے مرہٹی اسکولوں سے لائے گئے تھے لیکن فیض صاحب نے جن استادوں کو معقول تنخواہوں پر اس اسکول کے لیے رکھا تھا وہ محض اسکول کے ملازم نہیں تھے انھیں احساس تھا اور ہدایت بھی کہ اردو سے ناواقف بچوں کو چند ماہ کے اندر اس لائق بنا دیا جائے کہ وہ سخت سے سخت امتحان میں بھی کامیاب ثابت ہوں آپ کو تعجب ہوگا کہ ان بچوں میں دو بچیاں ایسی تھیں جو چند ہفتے پہلے ہی سیدھی سورت گجرات سے چاندہ آئی تھیں اور گجراتی زبان و رسم خط کے سوا اردو یا عربی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتی تھیں لیکن جب سالانہ امتحان ہوا تو یہ دونوں بچیاں اردو مضمون اور املے میں اول آئیں۔

لیکن اس سے بھی سخت امتحان کا تقاضہ تو اس وقت آیا جب مہاراشٹر گورنمنٹ نے آٹھویں جماعت تک مڈل اسکول کھولنے کی اجازت دی پانچویں کے تیس بچوں میں سے ۲۹ پاس ہوئے تھے چھٹی جماعت میں کم از کم تیس بچے مطلوب تھے، ساتویں اور آٹھویں میں کم از کم دس دس ضروری تھے ورنہ گرانٹ ملنا ممکن نہ تھی، اس کے ساتھ ایک اہم مرحلہ یہ تھا کہ شہر میں اردو کا ایک اسکول ہے اور اس میں بچے ڈیڑھ سو ہیں تو ۵ سال ہم مڈل اسکول کو ہائی اسکول کیوں کر بنا سکتے ہیں۔

فیض انصاری صاحب نے پھر وہ قدم اٹھایا جس کو پیشین گوئی کے طور پر وہ انجمن کا معیار قرار دے چکے تھے یعنی ۱۱ مارچ ۶۶ء کو انھوں نے انجمن ترقی اردو کی شاخ تشکیل دی اور ۱۲ مارچ سے ہی انجمن نے فیض صاحب کے پلان پر عمل کرنا شروع کر دیا، انجمن کے سرگرم اور کبھی نہ تھکنے والے کارکن دو حصوں میں بٹ گئے ایک ٹولی نے ضلع کی بستی بستی پر دھاوا بول دی اور دوسری نے شہر کے ان بچوں کا سروے شروع کر دیا جو مرہٹی یا ہندی کے چھٹویں اور ساتویں درجوں سے نکال کر اردو کے ساتویں اور آٹھویں درجوں میں داخلے لینے پر آمادہ ہو سکیں، انجمن کی ان دونوں جماعتوں نے اپنا کام بغیر کسی ہنگامے کے اس طرح انجام دیا کہ وہ لوگ جو اس کام کو ناممکن سمجھ رہے تھے انگشت بدنداں رہ گئے۔ ۱۰ جولائی ۶۶ء کو رفیع احمد قدوائی اسکول مکمل مڈل اسکول بن گیا اور اس کے تیسرے دن پورے ۳۵ سال کے بعد چاندہ کے واحد اردو پرائمری اسکول (جو آزادی کے بعد مولانا آزاد کے نام منسوب ہے) کے رجسٹر میں پہلی بار ۲۲۵ اردو پڑھنے والے بچوں کے نام درج ہوئے داخلہ ہنوز جاری ہے۔ اس طرح انجمن ترقی اردو شاخ چندر پور نے مرہٹی کے اس چیلنج کا جواب دے دیا جو اس نے ۵ جولائی کو اس لیے دیا تھا کہ بہت سے بچے مرہٹی اسکولوں میں داخلے چکے تھے انجمن اپنے وعدے کے مطابق دو سو بچے کہاں سے داخل کروا سکے گی لیکن انجمن کے پرجوش کارکنوں نے اس سے کچھ زیادہ ہی بچے داخل کروا دیے اور مزید پچاس بچے داخلہ لینے والے ہیں۔

اب سنیے کہ انجمن نے ان کاموں کو کس طرح انجام دیا، اول تو اس نے عام جلسے نہیں کیے جن اشتہار پسندوں سے ہی سارا مسئلہ بن گیا دوسرے بڑے بڑے جلسے منعقد نہیں کیے گئے البتہ فیض صاحب نے کوئی بارہ خصوصی جلسوں میں تقریریں کیں اخبارات کو تشہیر کا ذریعہ نہیں بنایا گیا بلکہ اردو کو دستور ہند نے جو حق دے رکھے ہیں اور حکومت مہاراشٹر نے اس سلسلے میں جو یقین دہانیاں کی ہیں انھیں کا سہارا لیا گیا اور متعلقہ محکمہ جات سے مسلسل خط و کتابت ہوتی رہی البتہ دو بار اس ضلع کے انچارج منسٹر سے ملاقاتیں کی گئیں اور انھیں مسئلہ سمجھایا گیا تیسرا اور سب سے اہم طریقہ کار وہ تھا جو کارکنوں کو بچے حاصل کرنے کے سلسلے میں اختیار کرنا پڑا یہ سب سے مشکل مرحلہ ثابت ہوا وجہ یہ تھی کہ یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت اردو سے بہت دور ہے ایک نسل سے یہ اپنے بچوں اور بچیوں کو مرہٹی اسکولوں اور ہندی مدرسوں میں داخل کرتے آئے ہیں کبھی کسی نے انھیں اردو کی تعلیم کی اہمیت نہیں بتائی بلکہ الٹا ان کے ذہنوں میں بھر دیا گیا کہ اگر تم نے بچوں کو مرہٹی نہیں پڑھائی تو ان کو نوکریاں نہیں ملیں گی تجربہ ہے کہ یہاں زیادہ تر مسلمان ملازمت پیشہ ہیں۔ پہلے مرحلے میں تو کارکنوں کو سخت مایوسی ہوئی لیکن فیض صاحب کے حوصلے نے ان کے حوصلے دوبارہ بلند کیے اور فیض صاحب بذات خود اس مہم میں شریک ہو گئے جون کی چلچلاتی دھوپ میں نکلتے تھے اور گلی گلی گھومتے رہتے جہاں موقع ملا اور جہاں جگہ ملی چھوٹا سا جلسہ کر لیا فیض صاحب سب سے ایک ہی بات کہتے تھے کہ اردو پڑھوانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بچے مرہٹی نہیں پڑھیں گے وہ اردو کے ساتھ مرہٹی بھی پڑھیں گے بلکہ قومی زبان ہندی بھی سیکھیں گے، جو اردو اور مرہٹی پڑھنے سے ان کو بغیر کسی محنت کے آجائے گی فیض صاحب کی یہ بات ہر مسلمان کے دماغ میں اترتی چلی گئی اور مشکل مرحلہ حل ہوتا چلا گیا اور بالآخر ایسا حال ہوا کہ قدوائی مڈل اسکول کو پانچویں کلاس میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے داخلہ بند کر دینا پڑا۔

انجمن کی اس ہنگامی کامیابی میں شاخ کے جن بلند حوصلہ کارکنوں اور عہدیداروں کا ہاتھ ہے ان میں سرپرست ہیں جناب عبدالصمد صاحب عرف میاں صدر انجمن جناب عبدالقادر شیخ محمد نائب صدر، جناب خلیل الرحمٰن صاحب، جناب خلیل احمد صاحب، جناب وحید نظامی صاحب، جناب غلام عباس صاحب، جناب کوثر نظامی صاحب، جناب عبدالسلام صاحب، جناب شیخ امام صاحب اور جناب ظہیر الحسن صاحب، مگر قدوائی اسکول کا ایک طالب علم رفیق احمد سب سے شائق ثابت ہوا۔

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ انجمن ترقی اردو بے عملوں کی جماعت ہے اور اور اس کا کردار نا قابل فہم ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اقبال

مراسلات

"م کے استفسار پر"

۸ جون ۶۶ء کے ہماری زبان میں یہ فارسی اشعار اور مصرعے کن شاعروں کے نتیجۂ فکر ہیں؟ کے زیرِ عنوان ایک مراسلہ شائع ہوا

دو شعروں کے شاعر کا نام اور حوالہ درج ذیل ہے

می کشد شعلہ سرے از دلِ صد پارۂ ما
جوشِ آتش بود امروز بہ فوّارۂ ما

یہ شعر فیضی کا تحریر کردہ ہے حوالے کے لیے دیکھیے "غبارِ خاطر" (از مولانا ابوالکلام) میں صفحہ ۲۲۶[1] پر

چہ دست می بری اے تیغِ عشق اگر از دست
ببر زبانِ ملامت گرِ زلیخا را

یہ شعر بھی فیضی ہی کا تحریر کردہ ہے حوالے کے لیے دیکھیے "غبارِ خاطر" میں صفحہ ۳۲۵[2] پر

مندرجہ ذیل اشعار اور مصرعے بھی غبارِ خاطر میں پائے جاتے ہیں مگر کن شعرا کے تحریر کردہ ہیں اُن سے منسوب نہیں کیے گئے ہیں۔

بانگِ خواہیم زسر گیرم رہِ بیہودہ را (ص ۔ ۵۹)

از ساز و برگِ قافلۂ بیخوداں مپرس
بے نالہ می رود جرسِ کاروانِ ما

(ص ۔ ۴۳)

نگاہے گاہ بہ باز خواں ایں دفترِ پارینہ را تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

(ص ۔ ۵۳)

چو تخمِ اشک بر کلفت سرشتہ اند مرا بہ نا امیدی جاوید کشتہ اند مرا
ز آہِ بے اثر و داغِ خام کاری خویش ز آتشے کہ ندارم برشتہ اند مرا

(ص ۔ ۸۴)

اگر دستے کنم پیدا نمی یابم گریباں را

(ص ۔ ۲۵۸)

بہ بو اصحابِ معنی را بہ رنگ اصحابِ صورت را

(ص ۔ ۲۳۷)

خود رفتہ ایم در کنجِ مزارے گرفتہ ایم تا بہ زود وش کس نشود استخوانِ ما

(ص ۔ ۳۳۱)

مندرجہ بالا اشعار، مصرعے اور دیگر اشعار بھی کن شعرا کے تحریر کردہ ہیں قارئینِ ہماری زبان اس کے متعلق کچھ لکھیں تو میں ممنون ہوں گا۔

(ایس نجم الحسن انجم ادیب)

[1] غبارِ خاطر طبع ثالث آزاد ہند پبلیکیشنز پبلشنگ بیورو دہلی صفحہ ۲۰۶
[2] ۔۔۔ صفحہ ۳۰۲ (ادارہ ہماری زبان)

آل انڈیا ریڈیو کا نیا اردو پروگرام

آل انڈیا ریڈیو دہلی نے ۱۵ مئی ۶۶ء سے اردو کا خاص پروگرام پیش کرنا شروع کر دیا ہے لیکن 202.5 metres پر ہونے کے باوجود یہ مخصوص پروگرام عوام تک آسانی سے نہیں پہنچ پاتا۔ اس لیے کہ ٹرانسمیٹر بہت کمزور ہے۔ بڑی ہی جستجو کے بعد میٹر ہاتھ بھی آتا ہے تو شور و غل اور دیگر میٹروں کے درمیان منتشر ہو کے رہ جاتا ہے صاف سنائی نہیں دیتا۔ آل انڈیا ریڈیو کے اربابِ حل و عقد اس طرف توجہ کریں۔ اس سلسلے میں میں ایک مراسلہ "انڈین ایکسپریس" کی ۲۵ جون کی اشاعت میں لکھ چکا ہوں۔ (فرحت کیفی)

ایک استفسار کا جواب

دل آپ کا؟ کہ دل میں جو کچھ ہے سب آپ کا
دل لیجیے مگر مرے ارماں نکال کے

اس شعر کے متعلق ۸ جون ۶۶ء کے "ہماری زبان" میں جناب ف۔ اسماعیل صاحب نے استفسار فرمایا ہے۔

اطلاعاً عرض ہے کہ یہ شعر مرزا غالب کا ہے۔ حوالے کے لیے دیکھیے "دیوانِ غالب" (مشورہ بک ڈپو کا پاکٹ ایڈیشن) میں صفحہ ۱۰۲ پر متفرق اشعار کے تحت صحیح شعر یوں ہے

دل آپ کا کہ دل میں ہے جو کچھ سو آپ کا
دل لیجیے مگر مرے ارماں نکال کے

(ایس نور الحسن انور ادیب)

مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کی گزارش

مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کی دعوت "ہماری زبان" کے ذریعہ دی جاتی ہے تشریح تو مطلوب ہے ہی مگر خاص طور پر اقبال کے شعر کی صحیح قرأت بھی جاننا چاہتا ہوں۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی (اقبال)

چلی بھی جا جرسِ غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نوبہار ٹھہرے گا (مصحفی)

ابھی بزمِ طرب سے کیا اٹھوں میں
ابھی تو آنکھ بھی پُرنم نہیں ہے (مجاز)

(عبدالحی رضا)

[1] نسخۂ عرشی صفحہ ۳۱۰ (یادگارِ نالہ) عرشی صاحب نے یہ شعر اسی طرح بحوالہ ارمغانِ غالب ص ۲۵۵ درج کیا ہے۔ ادارہ ہماری زبان
[2] دیوانِ غالب مرتبہ مالک رام صفحہ ۳۲۲ (فردیات) ادارہ ہماری زبان

انجمن ترقی اردو چندرپور کا ایک خصوصی جلسہ

چندرپور ۲۰ر جولائی۔ انجمن ترقی اردو شاخ چندرپور کا ایک غیر معمولی جلسہ ۱۷ر جولائی کو انجمن کے صدر جناب عبدالصمد کے آفس میں ہوا جس میں مندرجہ ذیل تجاویز پاس کی گئیں۔

(۱) انجمن کا یہ غیر معمولی جلسہ ناگپور یونیورسٹی کے لازمی زبانوں کے قانون میں ترمیم کے فیصلے کی مذمت کرتا ہے انجمن کے خیال میں یہ فیصلہ کھلی ہوئی اردو دشمن پالیسی کا نتیجہ ہے اور ارباب حل و عقد کا اردو داں عوام کو مادری زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم کرنے کی کوشش ہے جلسہ کے خیال میں ناگپور یونیورسٹی ایک سوچے سمجھے پلان کے تحت اردو کو اس علاقہ سے ختم کرنا چاہتی ہے۔

(۲) یہ جلسہ مہاراشٹر کے گورنر جو ناگپور یونیورسٹی کے چانسلر بھی ہیں اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل کے فیصلے سے اقلیتی فرقے میں غم و غصہ اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ان کو اس بات سے شدید تکلیف پہونچی ہے کہ انھیں اپنی مادری زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے اور عالی جناب گورنر سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنی خصوصی اختیارات سے اکیڈیمک کونسل کے اس ناانصافانہ فیصلے کو منسوخ کر دیں۔

(۳) یہ جلسہ انجمن ترقی اردو مہاراشٹر سے گزارش کرتا ہے کہ وہ جلد اس مسئلے میں موثر اقدام اٹھائے اور اکیڈیمک کونسل کی اس قرارداد کے خلاف اردو داں عوام کی رائے ہموار کرنے کے لیے ایک اردو کانفرنس بلائے۔

(محمد وزیر علی سکریٹری)

ناگپور یونیورسٹی کے کالجوں میں
اس سال اردو ذریعہ تعلیم رہے گی!

ناگپور۔ یونیورسٹی کے کالجوں میں اس سال بھی اردو ذریعہ تعلیم کی سہولت برقرار رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یونیورسٹی ایگزیکیٹو کونسل نے اکیڈیمک کونسل کی سفارشات کی پرزور مخالفت کے پیش نظر اس معاملہ پر دوبارہ غور کرنے کا اکیڈیمک کونسل کو مشورہ دیا ہے۔

اب ماہ ستمبر میں اکیڈیمک کونسل اس معاملے پر غور کرے گی۔

(الجمعیۃ)

ناگپور یونیورسٹی کے اردو تعلیم ختم کیے جانے کے خلاف
۲۵ ادبی، تعلیمی اداروں کا جلسہ

کامٹی ناک سے شہری جمعیۃ علماء کے زیر اہتمام حاجی عبدالغفور صاحب صدر شہری جمعیۃ علماء کی صدارت میں تقریباً ۲۵ ادبی سماجی اور تعلیمی اداروں کا مشترکہ جلسہ پبلک لائبریری گجری بازار منعقد ہوا۔ اختر انصاری نے ناگپور یونیورسٹی کے فیصلے کی اپنی تقریر میں وضاحت کی۔ عبدالستار فاروقی نے تجویز پیش کی اور بابو عبدالرشید خاں صاحب کی موثر تقریر کے بعد تجویز متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ یہ مٹی کرکامٹی کے مختلف ادبی اور تعلیمی اداروں کا یہ مشترکہ جلسہ ناگپور یونیورسٹی کی اکاڈمک کونسل کے اس فیصلہ کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہے جس کی رو سے ہندی اور مرہٹی کے علاوہ دوسری زبانوں کی تعلیم کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس سے اس علاقے میں چلنے والے تعلیمی اداروں پر بڑا اثر پڑے گا۔ یہ جلسہ حکومت مہاراشٹر سے پرزور درخواست کرتا ہے کہ وہ اکاڈمک کونسل کے اس فیصلہ کو واپس لینے پر مجبور کرے۔ اور اس طرح اس ملک کی غیر مرہٹی اور غیر ہندی اقلیتوں کے ساتھ انصاف سے پیش آئے۔

اس تجویز کو حکومت مہاراشٹر کے پاس اور اس کی نقل اخبارات اور متعلقہ ذمہ دار حضرات اور حکومت ہند کو بھیجی گئی۔

(الجمعیۃ)

مولانا حامد الانصاری غازی کے اعزاز میں شاخ برہانپور کی طرف سے استقبالیہ

۲ر جولائی ۶۶ء صبح دس بجے جنتا لائبریری ہال میں مقامی انجمن کی طرف سے ایک شاندار استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی جس کی صدارت حضرت حشمت اللہ رباعی صاحب نے فرمائی۔ سکریٹری انجمن اقبال نصیب نے مہمان محترم حامد الانصاری غازی کا استقبال کرتے ہوئے گلپوشی کی جناب حاجی صلاح الدین صاحب وائس پریسیڈنٹ نگر پالیکا نے مہمان موصوف کا مختصر تعارف کرایا کہ مولانا غازی جنگ آزادی کے بیباک سپاہی اور حق گو صحافیوں میں سے ہیں جناب مرزا ستار بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ نے انجمن اور اس کے موجودہ مقامی مسائل پر تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا برہانپور سے گورنمنٹ بیسک ٹریننگ اسکول نہیں جانا چاہیے ساتھ ہی سبھاش ہائی اسکول میں اردو سکشن کے لیے طلبہ کے داخلے پر پابندی سے اظہار تشویش فرمایا کہ ہمیں جلد اس طرف توجہ دینا چاہیے۔ یاد رہے کہ آج سے چار سال پہلے انجمن ترقی اردو برہانپور نے ہی اس اسکول میں اردو سکشن جاری کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔ معزز مہمان مولانا حامد الانصاری غازی صاحب نے فرمایا مجھے مقامی انجمن کے اراکین سے مل کر بیحد خوشی ہوئی۔ آپ نے فرمایا میرے لیے اردو کا مسئلہ زندگی کا ایک حادثہ ہے حالات سخت ہیں لیکن اردو بھی سخت جان ہے۔ اردو نے ملک کو دو جوہری ہتھیار دیئے ہیں "آزاد ہندوستان" اور "انقلاب زندہ باد" آخر میں اقبال نصیب سکریٹری انجمن نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ تمام حاضرین کی چار بسکٹ سموسے پان وغیرہ سے تواضع کی گئی۔

(اقبال نصیب سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور۔ ایم پی)

انجمن ترقی اردو پربھنی کا سالانہ جلسہ

مستقر ضلع پربھنی کی شاخ انجمن ترقی اردو کا عام سالانہ جلسہ ۱۲ر جون ۶۶ء کو بی۔ رگھوناتھ ہال میں منعقد ہوا۔ اور سال گذشتہ کی رپورٹ پیش کی گئی۔ آمد و خرچ کا گوشوارہ بھی پیش ہوا۔

انجمن کے مقاصد اور وقت کے اہم مسائل پر جو اردو زبان کے تعلق سے پیدا ہیں مختلف حضرات نے اظہار خیال کیا۔ میر ہاشم علی صاحب ایڈوکیٹ اور

محمد مظفر علی خاں (نائب صدر مرہٹواڑہ) نے بہت ہی وسعت نظری کے ساتھ حالات حاضرہ کا جائزہ لیتے ہوئے مسائل کا تجزیہ کیا اور زبان اردو کے تعلق سے جو تعلیمی دشواریاں درپیش ہیں حاضرین کو ان کی جانب متوجہ کیا اس کے بعد سال ۶۶-۶۷ء کے لیے نئی عاملہ (ورکنگ باڈی) کا چناؤ ہوا

حسب ذیل حضرات بالاتفاق آرا منتخب ہوئے۔

(۱) صدر:- میر ہاشم علی صاحب ایڈوکیٹ

(۲) نائب صدر:- سیٹھ حاجی حبیب عبداللہ صاحب

(۳) معتمد:- میر مصطفیٰ علی صاحب مظلومی۔

(۴) شریک معتمد:- ماسٹر جگ ایشور دیال صاحب

بقیہ اراکین کے نام حسب ذیل ہیں:

(۵) محمد مظفر علی خاں ایڈوکیٹ

(۶) محمد عبد الرحمٰن خاں صاحب ایڈوکیٹ سابق ایم۔ ایل۔ سی

(۷) غلام یٰسین خاں صاحب ایڈوکیٹ

(۸) میر ولایت علی خاں صاحب ایڈوکیٹ سابق ایم۔ ایل۔ سی

(۹) عبد الرشید صاحب (۱۰) جلیل احمد خاں صاحب

(۱۱) عبد الرحیم خاں صاحب (۱۲) مسٹر بیت راؤ صاحب ماڈگی کر

(۱۳) نائک راؤ صاحب اپادھیہ (۱۴) امام الدین صاحب یقین

(محمد مظفر علی خاں۔ نائب صدر انجمن ترقی اردو برائے اضلاع مرہٹواڑہ)

انجمن ترقی اردو برہانپور کا مشاعرہ

۱۴ جولائی برہانپور۔ انجمن ترقی اردو شاخ برہانپور کے زیر اہتمام ۱۰ جولائی ۱۹۶۶ کو خضالا لائبریری ہال میں جناب اندر سین اثر کے اعزاز میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ صدارت کے فرائض ہندی زبان کے مشہور شاعر برج لال یادو نے انجام دئے۔ جناب اقبال نصیب صاحب سکریٹری انجمن ہذا نے اثر صاحب کا تعارف کرایا اور انجمن کی تازہ رپورٹ پیش کی کہ سبھاش ہائی اسکول برہانپور میں جہاں اردو طلبا اس سال بہت کم لیے گئے ہیں اس سلسلے میں انجمن نے پرنسپل صاحب اور ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن ہوشنگ آباد کو تحریری طور پر لسانی حقوق کی بنیاد پر فوری توجہ دلائی ہے۔ ہال سامعین اور شعرا حضرات سے کھچا کھچ بھر گیا تھا۔ شری برج لال یادو، مرزا ساز بی اے، اندر سین اثر، فاضل انصاری، خورشید صاحب، نذیر اثر، اقبال نصیب، عزیز الدین عزیز، انجمن داس، دل صاحب، اعجاز غالبی، نصرت انصاری، اختر آصف، ارشد سعیدی، صہبا انصاری اور فضل صدیقی نے اپنے اپنے بہترین کلام پر خوب داد تحسین حاصل کی۔ مشاعرہ بیحد کامیاب رہا جس پر ہندی کے شاعر صدر مشاعرہ یادو بہت خوش ہوئے اور فرمایا میں انجمن کے اس مشاعرہ سے بہت متاثر ہوا ہوں آپ بھی ہمارے پروگراموں میں آیا کریں تو اچھا ہے جس پر اردو شعرا نے لبیک کہا۔ آخر میں شکریہ کے ساتھ سکریٹری انجمن جناب اقبال نصیب نے حاضرین سے نئی ممبر سازی کے لیے پرزور درخواست کی۔

عزیز الدین عزیز
(جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو برہانپور)

شاخ پٹیالہ کے زیر اہتمام طرحی مشاعرہ

۹ جولائی شام چھ بجے انجمن ترقی اردو پٹیالہ کے سرگرم ممبران کی طرف سے سنٹرل پبلک لائبریری میں ایک عظیم الشان طرحی مشاعرہ زیر صدارت جناب بی۔ ایل۔ آہوجہ آئی۔ اے۔ ایس کمشنر اکسائز اینڈ ٹیکسیشن پنجاب منعقد ہوا

میر مجلس جناب طالب شملوی نے طرحی مشاعرہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مطلب ہرگز کسی کا امتحان لینا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ اردو علم و ادب میں صحیح مذاق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے ازاں بعد جناب شباب ہریانوی ایم۔ اے۔ پی۔ ای۔ ایس جنرل سکریٹری انجمن ہذا نے جناب طالب شملوی کی تائید کرتے ہوئے ایسے طرحی مشاعروں کو جاری رکھنے پر زور دیا کیونکہ اس قسم کے مشاعرے ترقی اردو کی خدمت کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کچھ شعرا کے شرکت نہ کرنے پر تعجب کا اظہار کیا۔

طرحی مشاعرہ کا افتتاح جناب آر۔ ڈی۔ سیال۔ وفا۔ پی۔ سی۔ ایس ڈپٹی سکریٹری محکمہ بجلی بورڈ پنجاب نے کیا اور دوسرے دور کا افتتاح سردار ہربنس سنگھ تیج ایس۔ ای نے کرتے ہوئے فرمایا کہ طرحی مشاعروں کا اہتمام اردو ادب کے فروغ کے لیے نہایت موزوں قدم ہے اور ایسی سرگرمیوں کو اور تیز کرنے کے لیے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

مندرجہ بالا شعرا حضرات کے علاوہ جناب جگر جالندھری، جناب سوز شرمن، جناب اثر پارکھ، جناب ناظر صحرائی، جناب محمود جندل، جناب ساز پٹیالوی، جناب تازہ ہریانوی، جناب واجد، جناب دیوانہ، جناب نزہت گنوری اور پروفیسر نریش ماہر کوٹلوی نے طرحی مشاعرے میں شرکت فرمائی۔

پروفیسر ڈی۔ ایس سودی ڈائرکٹر محکمہ آثار قدیمہ۔ پریذیڈنٹ انجمن ترقی اردو پٹیالہ نے نہایت موزوں الفاظ میں صاحب صدر، شعرا حضرات اور سامعین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں تعصب اور تنگدلی سے بالاتر رہتے ہوئے اردو ادب کی خدمت کرنی چاہیے۔ جو شعرا ایسے مشاعروں میں دانستہ شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں وہ دراصل اردو دوست نہیں بلکہ اردو دشمن کے مترادف ہیں۔ ان کا ایسا عمل اردو زبان کی ترقی کے لیے سد راہ ہے انہیں ٹھنڈے دل سے اس رویہ پر غور کرنا چاہیے۔

جناب آہوجہ کے صدارتی خطبہ کے بعد یہ محفل مشاعرہ قومی ترانہ کے بعد نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوئی۔

(سوز شرمن)

جامعہ اردو کے ضمنی امتحانات کے نتائج کا اعلان

علی گڑھ ۱۲ جولائی جامعہ اردو علی گڑھ کے ضمنی امتحانات ادیب عالی، ادیب ماہر، ادیب اور ابتدائی کے نتائج کا اعلان آج کر دیا گیا یہ امتحانات مئی ۱۹۶۶ء میں ہوئے تھے۔

(محمد علی شاہ حیدری رجسٹرار جامعہ اردو)

انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کا وفد

جناب کامراج سے ملاقات کرے گا

دہلی ۲۰ جولائی۔ انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کا ایک وفد عنقریب صدر کانگریس جناب کامراج سے ملے گا۔ یہ فیصلہ انجمن کی مجلس عاملہ نے اپنے ان وفود کی رپورٹوں کی روشنی میں کیا جنھوں نے وزیر نائب جناب فخر الدین علی احمد اور وزیر اعظم مسز گاندھی سے ملاقاتیں کی تھیں اور مطالبہ نامہ پیش کیا تھا۔ مجلس عاملہ میں مسز گاندھی کے ساتھ بات چیت کے بارے میں غور کیا گیا اور طے کیا گیا کہ انجمن کے وفد کے اراکین چودھری برہم پرکاش ایم۔ پی۔ اور لالہ رشام ناتھ نائب وزیر حکومت ہند سے ملاقاتیں کریں۔ مجلس عاملہ نے انجمن کے نئے ضابطوں پر بھی غور کیا اور یوم آزادی کے سلسلہ میں انجمن کے پروگراموں کے لیے عہدیداروں کو کچھ ہدایت دیں۔

(الجمعیۃ)

ناگپور یونیورسٹی کے غیر منصفانہ فیصلے کے خلاف شاخ بھیمڑی کا ایک جلسہ

۱۵ر جولائی ۱۹۶۶ء کو جناب ڈاکٹر ایچ۔ ایم سقری صاحب صدر انجمن ترقی اردو (شاخ بھیمڑی) کی صدارت میں باشندگان بھیمڑی کا ایک جلسۂ عام منعقد ہوا۔ حاضرین جلسہ نے ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل کے اردو دشمن فیصلے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مندرجہ ذیل تجویز بالاتفاق رائے منظور ہوئی۔

"باشندگان بھیمڑی کا یہ جلسۂ عام ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل کے اس اقدام پر سخت احتجاج کرتا ہے جس کے ذریعہ بی۔ اے۔ بی۔ ایس سی اور بی کام کے درجوں سے اختیاری مضمون کو ختم کر دیا گیا ہے۔ ریاست مہاراشٹر میں اردو کے تعلق سے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں انصاف کیا جاتا رہا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ناگپور یونیورسٹی کا یہ قدم نہایت ہی افسوسناک ہے۔

باشندگان بھیمڑی کا یہ جلسۂ عام ناگپور یونیورسٹی سے خصوصاً اور حکومت مہاراشٹر سے عموماً پر زور اپیل کرتا ہے کہ اردو دشمنی کا یہ قدم فوراً واپس لے لیا جائے۔ اور یونیورسٹی میں اردو کی تعلیم حسب سابق جاری کر دی جائے"

(مومن یوسف حسن، سکریٹری انجمن ترقی اردو (شاخ بھیمڑی)

ناگپور یونیورسٹی کے نامناسب فیصلے کے خلاف

انجمن ترقی اردو مہاراشٹر کی آئینی جد و جہد

ناگپور یونیورسٹی نے اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے ختم کر کے جو اردو دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کے خلاف انجمن ترقی اردو مہاراشٹر نے پورزور آئینی جد و جہد شروع کر دی ہے اس سلسلے میں جناب فیض انصاری صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو ودربھ کو خصوصی اختیارات بھی دئے گئے ہیں لہذا انجمن ترقی اردو مہاراشٹر کی تمام شاخوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے یہاں ناگپور یونیورسٹی کے اس فیصلے کے خلاف جو تجویز منظور کریں اس کی ایک نقل جناب فیض انصاری صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو ودربھ کو قدوائی ہائی اسکول جٹ پورہ چاندہ کے پتے پر بھی ضرور روانہ کریں۔

(محمود چھاپرا جائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند مہاراشٹر)

انجمن ترقی اردو بھیمڑی کا ایک اعلان

بھیمڑی کے اردو دوستوں سے گذارش ہے کہ اس سال بھی جامعہ کے امتحانات کا انتظام رئیس ہائی اسکول بھیمڑی کی نگرانی میں کیا گیا ہے امتحان میں شرکت کے خواہش مند حضرات سے التماس ہے کہ وہ جلد سے جلد انجمن کے سکریٹری یوسف حسن یا جناب ظفر الاسلام ہیڈ ماسٹر رئیس ہائی اسکول سے ملاقات کریں۔ مومن لائبریری اور اسکول لائبریری میں نصاب کی کتابوں کا بڑی حد تک انتظام کیا گیا ہے۔

تعلیم بالغان

انجمن تعلیم بالغان یعنی ان پڑھے لکھے مردوں اور عورتوں کو اردو پڑھنا لکھنا سکھانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ جو لوگ پڑھنا لکھنا چاہتے ہوں وہ انجمن کے سکریٹری سے جلد سے جلد ملاقات کریں۔ تعلیم مفت دی جائے گی عورتوں کے لیے علحدہ انتظام ہوگا۔　　　　(یوسف حسن سکریٹری)

حیدرآباد میں شعری مجموعہ "آبگینے" کی رسم اجراء

حیدرآباد ۱۷ر جولائی ۱۹۶۶ء مشہور شاعر مخدوم محی الدین نے اردو ہال میں ادارہ مصنفین نو کی دوسری پیشکش "آبگینے" کی رسم اجراء انجام دیتے ہوئے نئی نسل کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی ادبی صلاحیتوں کو ایک وسیع پلیٹ فارم کے ذریعہ منظم کریں تاکہ پرانے ادیبوں کو انھیں زیادہ سے زیادہ سننے سمجھنے کا موقع مل سکے۔ ابتداء میں کتاب کے مرتب حسن فرخ نے خیر مقدم کیا اور وقار اعظمی نے ادارے کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اس سے قبل نئے افسانہ نگاروں کا ایک مجموعہ "نیا کارواں" ادارے کی جانب سے شائع کیا جا چکا ہے۔

مخدوم محی الدین نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوستان میں ۱۹۴۸ء کے بعد اردو کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی گئی ہے لیکن آندھرا پردیش میں بڑی حد تک بہتر موقف دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اردو کے اس اہم مرکز پر کوئی عمدہ اشاعت گھر نہیں ہے۔ حیدرآباد کے بعض ادارے تخلیقات شائع کرتے ہیں۔ لیکن ان کی نکاسی کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ شاہد صدیقی کا مجموعہ کلام بھی اسی طرح گودام میں پڑا ہوا ہے۔

(حسن فرخ)

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات بھیجتے وقت یہ خیال رکھیں کہ وہ کاغذ کے ایک طرف اور خوشخط لکھے ہوں۔

تبصرے

خلیل الرحمن اعظمی

سوامی درشن

مصنف : سوامی مارہروی

ناشر : نظامی بک ایجنسی بدایوں

قیمت : چار روپے

سید سرور عالم مارہروی مرحوم جنھوں نے سوامی تخلص اختیار کیا اور اپنے وطن مارہرہ میں اپنی رہائش گاہ کا نام "سوامی کی کٹیا" رکھا بڑی دلکش اور دلآویز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے اسلاف میں صاحب عالم مارہروی کا نام غالب کے خطوط کی وجہ سے ادبی حلقوں کے لیے بڑی دلچسپی کا سامان رکھتا ہے مگر سوامی صاحب نے تو اپنے جد امجد شاہ برکت اللہ بلگرامی کی روایت کو آگے بڑھایا جنھوں نے ہندی یا اپنے زمانے کی عوامی بولی میں شاعری کے قابل قدر نمونے چھوڑے اور جنھیں "پیمی" کے نام سے ہندی والے اب بھی اپنے ایک محبوب شاعر کو یاد کرتے ہیں۔ سوامی مارہروی نے اردو میں شاعری کی اور اس زبان کو استعمال کیا جسے نہ تو خالص ہندی کہہ سکتے ہیں نہ خالص اردو بلکہ ان کے اسلوب میں دونوں زبانوں کی خوبیاں آگئی ہیں عظمت اللہ خاں اور مقبول حسین احمدپوری کے گیتوں اور نظموں کے ساتھ سوامی صاحب کے گیت اور نظمیں پڑھی جائیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان شعرا کے دوش بدوش سوامی صاحب نے اپنے لیے نئے میدان تلاش کیے ہیں۔ ان کے گیتوں میں ہندوستان کے گاؤں کا دل دھڑکتا ہے اور روزمرہ کی گھریلو زندگی کے نشیب و فراز ایسے دلکش پیرایے میں بیان کیے گئے ہیں جس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ "گوری پیسے جیا دھیرے دھیرے چلائے چاکی" "گھٹ بھری ساس سیا سوری" "بھوک کی کٹیا" اور "دھوبن کا گیت" ایسے گیت ہیں جو اردو کے عام رومانی اور عشقیہ گیتوں سے الگ ہیں۔ ان کی تمام نظموں اور گیتوں میں ایک سیکولر نقطۂ نظر ملتا ہے جو خاص طور پر ہمارے لیے قابل توجہ ہے۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے اردو شعرا میں "دوہے" لکھنے کا ایک رجحان پیدا ہوا ہے جس کے سب سے بڑے علمبردار جمیل الدین عالی سمجھے جاتے ہیں۔ بعض حضرات نے انھیں اردو میں دوہوں کا پہلا شاعر کہا ہے۔ یہ خیال ناواقفیت پر مبنی ہے۔ امیر خسرو سے لیکر بہادر شاہ ظفر تک اردو کے متعدد شعرا نے دوہے کہے ہیں۔ بیسویں صدی کے شعرا میں بھی اگر دوہے لکھنے میں اولیت کا سہرا کسی کے سر باندھا جا سکتا ہے تو وہ سوامی ہیں۔ سوامی جی نے تو امیر خسرو کی ایک اور روایت کو اس صدی میں زندہ کیا یعنی "پہیلیاں" لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کے کچھ نمونے اس مجموعے میں شامل ہیں۔

سوامی صاحب کی بہت سی نظموں، گیتوں اور دوہوں میں طنز کی ایک دھار بھی ملتی ہے جو ہمیں کبیر کی یاد دلاتی ہے۔ "سوامی درشن" اردو کے شعری مجموعوں میں خاص توجہ کا مستحق ہے۔

خلش

مصنف: سیفی پریمی۔ ناشر سروج اکیڈمی دہلی ۶۔ قیمت: دو روپے

سیفی پریمی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اگرچہ ان کی ذہنی اور فنی تربیت روایتی قسم کے اساتذہ کے زیر سایہ ہوئی ہے لیکن وہ بنیادی طور پر ایک حساس انسان ہیں اور بغیر جذبات و محسوسات کے محض استادی کے بل پر شعر کہنے کے قائل نہیں ہیں انھوں نے اپنی غزلوں میں گھسے پٹے مضامین اور فرسودہ تشبیہات و استعارات سے دامن بچا کر ایک نئی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ خاصی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ چند شعر دیکھیے

اکثر نظر کوروں کو بھی دنیا نظر پڑی ہے ۔۔۔ جیسے کوئی سہاگن بیٹھی ہو بن سنور کر

یہ فضائے غم کھلے گی کبھی عشق کی چمک سے ۔۔۔ ابھی سوگوار ہوں میں ابھی سوگوار ہو تم

دور ہوتے ہیں تو دل اور بھی الجھتے ہیں ۔۔۔ فاصلے عشق میں حائل نہیں ہونے پاتے

لب دوشانے کبھی نیند میں قدم چومے ۔۔۔ خلاؤں میں کبھی برسوں سے ایک ٹک نظر

ہر اک سے شکوۂ غم ہائے آرزو سیفی ۔۔۔ یہ کج روی کہ اس کا نام جہاں سے کچھ نہ کیا

مجموعے کے آخر میں دو نظمیں "پیے دن" اور "جنتی" بھی شامل ہیں۔ سیفی صاحب کے مزاج کو اصل مناسبت غزل سے ہے۔ اور ان کی غزل میں ابھی اور آگے بڑھنے اور پھیلنے کی گنجائش ہے۔

مومن حیات و شاعری

تصنیف: احسان دانش، عبدالرحمن اصلاحی۔ ناشر مکتبہ قصر اردو، اردو بازار دہلی

قیمت: تین روپے آٹھ آنے

مومن پر یہ کتاب جو دراصل عبدالرحمن اصلاحی کی تصنیف ہے اب سے غالباً پندرہ بیس سال قبل لکھی گئی تھی۔ اس کا مسودہ مختلف ناشروں کے پنجۂ غضب سے نکل کر ۱۹۷۵ء میں ظفر ادیب صاحب کی کوششوں سے منظر عام پر آیا ہے۔ اصل کتاب شروع ہونے سے پہلے ایک تحریر احسان دانش کی بھی شامل کی گئی ہے جس کا عنوان ہے "مومن سے پہلے" اور غالباً اسی بنا پر ان کا نام بھی مصنف کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس زمانے میں لکھی گئی تھی جب "نگار" کے مومن نمبر کی بدولت اردو کے ادبی حلقوں میں مومن اور مومن کے رنگ تغزل کے بارے میں ایک مبالغہ آمیز تنقید نے جنم لیا تھا۔ ان تنقیدوں میں جا بجا مومن کو غالب اور دوسرے شعرا سے ٹکرایا بھی گیا ہے۔ شبلی نے موازنۂ انیس و دبیر میں جس غیر صحت مند تنقید کی بنیاد ڈالی تھی وہ اب جدید دور میں آہستہ آہستہ معدوم ہوتی جا رہی ہے لیکن اس طرح کی کتابوں کو دیکھ کر ایک بار پھر اس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ویسے لکھنے والے نے کافی محنت کی ہے اور اس وقت تک مومن کے بارے میں جو معلومات اور تنقیدی رائیں بکھری ہوئی تھیں انھیں یکجا کر دیا گیا ہے پچھلے اٹھ دس برسوں میں کلب علی خاں فائق اور عبادت بریلوی نے مومن پر خاصی تفصیل سے کام کیا ہے اور ان حضرات کی کتابیں مومن کے سلسلے کے تحقیقی و تنقیدی کام کو آگے بڑھاتی ہیں اس اعتبار سے زیر نظر کتاب اب کچھ پرانی سی معلوم ہوتی ہے لیکن اپنے اختصار اور سادہ و شگفتہ انداز بیان کی وجہ سے یہ کتاب اب بھی طلبہ کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کے مہتمم ظفر ادیب قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا